دینی پس منظر میں علم کی ماہیت اور تقسیم بندی

THE NATURE & CLASSIFICATION OF KNOWLEDGE FROM RELIGIOUS PERSPECTIVE

Dr. Sajjad Ali Raeesi
Dr. Abdul Rehman Kaloi

Abstract:
From Islamic point of view, all sciences are in fact means to recognize God. That`s why Knowledge by its nature could'nt be divided into different types. Yes, it could be classified. Moreover, the purpose of acquiring knowledge is to find the opportunities of spiritual and materialistic benefits for humanity according to Islam and Quran & Hadith are also considered as the ultimate sciences in this context. So, a person seeking knowledge, can know the facts only if he accepts the reality of meta-physics along with physics, natural & social sciences, and makes himself bound to the ultimate condition of being beneficial for humanity.
Keywords: *Knowledge, ignorance, reality, ultimate.*

خلاصہ :
اسلام تعلیمات کی روشنی میں تمام علوم خدا شناسی کے ذرائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم کو اس کی ماہیت کے لحاظ سے مختلف قسموں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں ! علم کی طبقہ بندی کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں، اسلامی نکتہ نظر سے علم کے حصول کا مقصد دنیاوی و اخروی فوائد کے مواقع تلاش کرنا ہے اور اسی معنی میں علم کو نور قرار دیا گیا ہے اور اسی مفہوم میں قرآن و حدیث حتمی علوم شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا علم کا متلاشی ایک انسان تنہا اسی صورت میں حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ جب وہ فزکس، نیچرل سائنسز اور سماجی علوم کے ساتھ میٹا فیزکس کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس حتمی شرط کا پابند ہو کہ علم کے حصول کی غرض و غایت دنیا و آخرت کی فلاح ہے جس کے لئے اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے۔
کلیدی الفاظ : علم، جہل، حقیقت، حتمی۔

مقدمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی انسان کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا فرمایا اور اسے اس مقصد کے حصول کے لئے وافر علم وفہم سے بھی نوازااور توفیق خیر سے بھی سرفراز فرمایا۔ وہ لوگ انتہائی سعادت منداور خوش بخت ہیں جو اپنے اس عظیم الشان مقصدِ تخلیق سے واقف اور اس کے حصول کے لئے مصروف عمل ہیں۔ علم ایک ایسی شمع ہے جس کی بدولت حضرت انسان کو دیگر مخلوقات پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں ہر شخص کے لیے علم کے حصول کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ علم کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔ کائنات کے پہلے انسان سیدنا آدمؑ کی تخلیق کے بعد سب سے پہلی نعمت جس سے انہیں نوازا گیا وہ علم ہے۔ اور پھر علم کی بناپر ہی سیدنا آدمؑ کو مسجود ملائکہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نسلِ آدم کے لئے بھی فضیلت اور درجات کی بلندی کا معیار علم ہی قرار پایا۔ اور زیادہ علم کی طلب اور خواہش کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ انسان کو ملنے والے علوم میں علم الاسماء یعنی اشیاء کے ناموں کا علم تو انسان کو اس زمین پر آنے سے قبل ہی عطا کر دیا گیا تھا لیکن جب آدمؑ فقط اسی علم کی بناپر شیطان کی چالوں کا مقابلہ نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ حقیقی فائدہ مند علم یعنی علم ہدایت کا سلسلہ بھی جاری فرمادیا۔

علم ہدایت کا یہ سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا وہ رسول اللہ ﷺ پر آکر ختم اور مکمل ہو جاتا ہے۔ پیغمبر ﷺ آخر الزماں پر اس سلسلے کی وحی کی ابتدا جن کلمات سے ہوئی، وہ بھی حصول علم سے متعلق ہی ہیں۔ اس کی مزید تاکید رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ یعنی: "علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔" اور جو چیز انسان کو جانور سے ممتاز کرتی ہے، وہ علم ہی ہے ایک شخص اگر علم حاصل نہیں کرتا اور محض کھاپی کر اور اپنی نسل بڑھا کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس میں اور جانور میں کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ اس دنیا میں جس قوم نے بھی ترقی کی، علم کے راستے پر چل کر ہی کی۔ دورِ حاضر میں تمام ترقی یافتہ اقوام اپنی آمدنی کا کثیر حصہ تعلیم و تحقیق پر خرچ کرتی ہیں اور یوں دنیا کے وسائل سے بھرپور استفادہ کر رہی ہیں۔ حقیقی کامیابی کے لئے صرف دنیاوی علم کافی نہیں بلکہ ایسا علم حاصل کیا جانا ضروری ہے جو دنیاو آخرت دونوں میں فائدہ مند ہو۔ علم کی ماہیت اور اس کی درجہ بندی کے حوالے سے متعدد اصطلاحات موجود ہیں۔ علوم متغیرہ و مستقلہ، علوم دینیہ و دنیویہ، علوم مادی وروحانی، علوم مغربی ومشرقی جیسی اصطلاحات کثرت سے مستعمل ہیں۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آتی ہے کہ علوم کی ہیئت اور اس کی تقسیم بندی کے حوالے سے معاشرہ

افراط و تفریط کا شکار ہے۔ مقالہ ہذا میں علم کی اس تقسیم بندی پر ایک فکری بحث پیش کی گئی ہے تاکہ معاشرہ کو اس افراط و تفریط سے نکالا جاسکے۔

علم عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی "جاننے" کے ہیں۔ ماہر لغت لوئس معلوف نے علم کے مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔ "ادراك الشئی بحقیقته، الیقین والمعرفة کسی چیز کی حقیقت کو حاصل کرنا، اس چیز پر یقین کرنا، اس کی معرفت حاصل کرنا۔"[1] لہٰذا کسی بھی شئے اور نظریہ کی حقیقت کو تلاش کرنے کا نام علم ہے اور حقیقت کا ادراک غور و فکر اور تحقیق و تنقید کے مراحل سے گزرے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے علم وہی ہوگا جو غور و فکر اور تحقیق کے بعد انسان کو حاصل ہو۔ یقیناً غور و فکر کے باوجود انسان حقیقت کا کما حقہ ادراک نہیں کرسکتا ہے لیکن معیارات واقدار میں وہی اشیاء مستحسن اور مقبول ہوں گی جو عقل انسانی کے قریب تر ہوں اور جنہیں انسان نے تفکر و تفحص کے بعد حاصل کیا ہو۔ اس بات سے فرار کا کوئی راستا نہیں ہے کہ حقیقت اور اس کی کلی واقعیت کو منکشف کرنا انسانی دسترس میں نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ حقیقت اور اس کی واقعیت کا انکار کردیا جائے یا اس کے حصول کی سعی کرنا ترک کردیا جائے۔ انسان اگر خدائی علوم اور اس کی حقیقت و واقعیت کا ادراک کرنے کا اہل ہو جاتا تو پھر خدائی طاقت و وحدانیت چیلنج ہو جاتی اس لئے انسان کو طاقت دینے کے باوجود مجبور و محدود بنایا گیا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ الہامی متون کے سوا تمام علوم متغیر اور متبدل ہوتے ہیں۔ ان علوم کی تغییر پذیری کے ساتھ ان کا ادراک کیا جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ حقیقی علم کا حصول ممکن ہے اور اگر تمام علوم کی صرف نقلی اور روایتی انداز میں تفہیم کی جائے تو پھر علوم کی تغییر پذیری کا ادراک نہیں ہوسکے گا جس سے اصل یا حقیقی علم انسانی دسترس میں نہیں آسکے گا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی اکثریت خود کو نقلی علوم تک محصور کرکے علوم کے ارتقاء میں سست روی کا شکار ہوئی۔ علم کی ماہیت میں دینی و دنیوی تقسیم نے امت مسلمہ کو مزید نقصان پہنچایا۔ نوجوان نسل آج بھی یہ بنیادی سوال پوچھتی ہے کہ کیا قرآن و حدیث کے رو سے علم صرف علوم دینیہ (علوم دینیہ سے مراد اسلامی اداروں میں پڑھائے جانے والے مضامین) ہیں؟ اگر یہ بات من و عن تسلیم کی جائے کہ علم سے مراد دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے مروجہ دینی مضامین ہیں تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ اسلام نے خود اپنے متعلق معلومات حاصل کرنے کی تاکید اور نصیحت کی ہے، جبکہ حقائقِ کائنات کو جاننے کے بارے میں کچھ نہیں کہا، حالانکہ کائنات کے حقائق خالق کی حقیقت کی شناخت پر منتہی ہوتے ہیں۔

علم انسانیت کی معراج ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرتا ہے، دین کی اساسوں، بنیادوں سے واقف ہوتا ہے اور مقصد حیات سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ علم عظمت و رفعت کی علامت ہے اور علم ہی کی بدولت

اللہ مالک الملک نے انسان کو دیگر مخلوقات پر فوقیت دی ہے۔ کتاب وسنت میں دینی علم حاصل کرنے کی کافی ترغیب موجود ہے اور علماکے مراتب عام امتیوں سے اعلیٰ وارفع بیان ہوئے ہیں۔ وحی کے علم کی حفاظت و ذمہ داری اور تبلیغ و اشاعت کا فریضہ علمائے امت پر عائد ہے۔ اس مناسبت سے علماء کا فرض ہے کہ دینی علوم میں دلچسپی لیں اور کتاب وسنت کے احکام و فرائض، فقہی مسائل اور ضروریات دین کے متعلقہ امور سے کماحقہ بہرہ مند ہو کر تبلیغ دین کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔ دینی علم سیکھنا اور سکھانا بہت معزز پیشہ ہے اور دینی تعلیم سے وابستہ افراد انتہائی قابل احترام ہیں۔

جو شخص اسلام اور اسلام کے طرزِ فکر سے واقف ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام کی نظر میں علم صرف چند مروجہ علوم دینی کا نام ہے۔ یہ خیال صرف مسلمانوں کے اس طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے گذشتہ چند صدیوں میں دینی اداروں کو محض چند مروجہ مضامین تک ہی محدود کر دیا۔ ورنہ قرآن اور حدیث میں ایسی کوئی تمیز اور فرق نظر نہیں آتا ہے۔ قرآن کے مطابق Natural Science and Social Science دونوں علم کی تعریف میں شامل ہیں، بشرطیکہ ان علوم سے اللہ کے بندوں کو دنیاوی اور اخروی فوائد ملنے کا مواقع نصیب ہو جائے۔ کیونکہ قرآن علم کو "نور" اور جہل کو "ظلمت" سے معنون کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی طرح کی کوئی اور تخصیص نہیں۔ قرآنی آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے کہ قرآن متعدد ایسے موضوعات پر غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے جن کا تعلق سائنسی اور دیگر جدید علوم وغیرہ سے ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ(2: 164)

ترجمہ: "بلا شبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے فائدے کے لئے اور اس بارش کے پانی میں جو اللہ زمین میں برساتا ہے اور پھر زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد تروتازہ کرتا ہے اور جس میں اس نے ہر طرح کے جانور پھیلائے ہیں اور ہواؤں کی گردش اور ابر کی مخصوص حالت میں کہ زمین اور آسمان کے درمیان معلّق رہتا ہے، ان سب میں اللہ کی حکمت اور قدرت کی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔"

یہی بات الفاظ کے اختلاف کے ساتھ سورہ جاثیہ کی دوسری اور سورہ فاطر کی پچیسویں آیت میں بھی کہی گئی ہے۔ ان سب قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں علم دینی علوم (چند مروجہ دینی علوم جو علوم شریعہ کے نام سے

معروف ہیں) تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ان تمام علوم سے ہے جن کا تعلق دنیااور آخرت دونوں کی بھلائی سے ہو۔ دینی اور دنیاوی علوم، شرعی اور غیر شرعی علوم، اسلامی اور غیر اسلامی علوم کی اصطلاحات اکثر امت مسلمہ کے علماء استعمال کرتے آئے ہیں۔ مختلف جہتوں سے ان اصطلاحات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ تاریخی پس منظر میں ان کا بیان کرنا صحیح ہو لیکن قرآن وسنت کی رو سے علوم کی اس طرح کی تقسیم غیر مناسب فکر ہے۔

علم کی درجہ بندی

کسی بھی چیز کی فضیلت وشرافت کبھی اس کی عام نفع رسانی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی ااس کی شدید ضرورت کی وجہ سے سامنے آتی ہے۔ انسان کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے لئے سب سے پہلے علم کی ہی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ اور علم ہی کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم عطا کیا گیا اللہ ان کے درجات کو بلند کرے گا"۔ پھر اللہ کے نزدیک علم ہی تقویٰ کا معیار بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اردو میں تعلیم کا لفظ دو خاص معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک اصطلاحی دوسرے غیر اصطلاحی؛ غیر اصطلاحی مفہوم میں تعلیم کا لفظ واحد اور جمع دونوں صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے اور پیغام، درسِ حیات، ارشادات، ہدایات اور نصائح کے معنی دیتا ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی تعلیم یا تعلیمات، حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم یا تعلیمات اور شری کرشن کی تعلیمات جیسے فقروں میں، لیکن اصطلاحی معنوں میں تعلیم یا ایجوکیشن سے وہ شعبہء زندگی مراد لیا جاتا ہے جس میں خاص عمر کے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما، تخیلات و تخلیق کی قوتوں کی تربیت و تہذیب، سماجی عوامل و محرکات، نظم و نسق مدرسہ، اساتذہ، طریقہ تدریس، نصاب، معیار تعلیم، تاریخ تعلیم، اساتذہ کی تربیت اور اس طرح کے دوسرے موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔

علوم کی تقسیم بندی میں ایک خاص اصطلاح "علم نافع" کو مسلم دانشوروں نے استعمال کیا ہے۔ خود شارع اسلام کی احادیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔"اللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا" [2] یقیناً علم اپنی صفات اور تاثیر کے مطابق محمودہ اور مذمومہ صفات کا حامل ہوتا ہے۔ تب ہی تو بعض علوم کو مسلمان علماء معاشرہ میں رائج کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق امام غزالی نے سب سے پہلے علم نافع کی اصطلاح کو استعمال کیا۔ تب سے یہ اصطلاح کثرت سے مسلم دانشور استعمال کرتے آئے ہیں۔ پاکستان کے مشہور دانشور ڈاکٹر منظور احمد نے اپنی کتاب "اسلام: چند فکری مسائل" میں اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ قرآن کی نظر میں علم سے مراد کوئی خاص علم نہیں ہے بلکہ ہر وہ علم جو بنی نوع انسان کے فلاح و بہبود کے

لئے ہو، اور رضاء الٰہی کے اسباب فراہم کرتا ہو وہ اسلام کی روح سے علم کہلائے گا۔ لہٰذا تمام مفید علوم اسلام کی نظر میں علم کی تعریف میں شامل ہیں اور بجا طور پر انہیں علوم دینیہ کہا جاسکتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا علم خود مقصد ہے یا معرفت الٰہی کا ذریعہ۔ اکثر دانشور اور علماء کی رائے ہے کہ علوم سب کے سب خدا شناسی کے حصول کے لئے ذرائع ہیں، مقصد نہیں ہیں۔ نیز تمام علوم ہمیشہ متغیر حالت سے خالی نہیں رہتے ہیں۔ البتہ الہامی تعلیمات کے متون کو غیر متغیر حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی مفہوم میں قرآن و حدیث سکہ بند علوم ہیں۔ اس کے علاوہ کسی علم کو غیر متغیر حقیقت سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ حصول علم میں سر گرداں شخص کے لئے حقیقت کا ادراک صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ تمام متغیر حالتوں کو ہمیشہ غیر متغیر حالت کے پابند بنائے۔ اگر وہ فزکس، نیچرل سائنسز اور سماجی علوم کے ساتھ میٹا فیزکس کی حقیقت کو بھی تسلیم کرے گا اور خود کو اس غیر متغیر حقیقت کا پابند بنائے گا تو اس کے لئے علم و معرفت کا حصول ممکن ہے۔ اسی مفہوم میں اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے۔ جس کا مفہوم یہی ہے کہ انسان ان تمام علوم کو حاصل کرے جو سماج کے لئے ضروری ہیں اور انسانی فلاح و بہبود کے باعث ہیں۔

علامہ مرتضیٰ مطہری تحریر کرتے ہیں ”میری نظر میں "علوم فریضہ" جن کا حصول مسلمانوں پر واجب ہے صرف یہی مذکورہ (دینی مروجہ علوم) علوم نہیں ہیں بلکہ وہ تمام علوم جن میں مہارت حاصل کئے بغیر اسلامی معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں اجتہاد و مہارت حاصل کرنا مسلمانوں پر مقدمہ تہیّوئی کے عنوان سے واجب ہے۔[3] غرض اسلامی علوم کو کسی خاص مروجہ علوم تک محدود کرنا قرآن کی روح سے صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید جہاں ”اعلموا“ جیسی اصطلاحات سے حصول علم کو ضروری قرار دیتا ہے وہیں پر ”افلا یتفکرون، افلا یتدبرون، افلا یعقلون “ جیسی اصطلاحات سے کائنات اور اس میں موجود مظاہر قدرت پر غور و فکر کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ کائنات پر غور کرنے کا حکم قرآنی حکم ہے: "أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ (50:6-7) اچھا، تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اسے بنایا اور آراستہ کا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اُگادیں۔ یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو (حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔"

حتمی یالازمی علم

انسانی زندگی میں تعلیم کی ضرورت واہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔اس کی تکمیل کے لئے ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہاہے، لیکن اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر جو خاص زور دیا ہے اور تعلیم کو جو فضیلت دی ہے، دنیاکے کسی مذہب اور کسی نظام نے وہ اہمیت اور فضیلت نہیں دی ہے۔ اسلام سے قبل جہاں دنیامیں بہت سی اجارہ داریاں قائم تھیں، وہاں تعلیم پر بھی بڑی افسوس ناک اجارہ داری قائم تھی۔ اسلام کی آمد سے یہ اجارہ داری ختم ہوئی۔ دنیاکے تمام انسانوں کو چاہے وہ کالے ہوں یا گورے، عورت ہو یامرد، بچے ہوں یابڑے، سب کوکتاب و حکمت کی تعلیم دینے کی ہدایت دی گئی۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ علم حاصل کرنے کی دعوت دی، بلکہ حصول علم کو ہر شخص کافرض قرار دیا ہے۔ آسمان وزمین، نظام فلکیات، نظام شب وروز، بادوباراں، بحرودریا، صحرا و کوہستان، جان دار بے جان، پرندوچرند، غرض یہ کہ وہ کون سی چیز ہے جس کا مطالعہ کرنے اور اس کی پوشیدہ حکمتوں کا پتہ چلانے کی اسلام میں ترغیب نہیں دی گئی؟

اسلام کی نظر میں کائنات سے متعلق تمام علوم کا حصول واجب اور لازم ہے کیونکہ کائنات کی ہر شئے ہر لمحہ وہر ساعت خداشناسی کی طرف دعوت دیتی ہیں۔تاریخ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ مسلم تعلیمی اداروں سے جہاں قرآن و حدیث کے ماہرین نکلتے تھے وہیں فلکیات، ارضیات اور دیگر علوم کے ماہرین و محققین بھی پیدا ہوتے تھے۔کائنات میں انسان کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا جو نظام اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس میں انسان کے لیے علم کے حصول اور سمع بصر اور فواد (دل) کے ذریعے انفس اور آفاق، دونوں دنیاؤں سے حصول علم اور الہامی ہدایت کے ذریعے اس علم اور ان صلاحیتوں کا صحیح صحیح استعمال شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کے ذریعے علم، انسان اوراس کی تہذیب نفس کے لئے اسی نمونہ کو ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام انسانیت کو اسی ماڈل کی تعلیم دینے کی خدمت انجام دیتے رہے جس کا مکمل ترین نمونہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے پیش کیا اور فرمایاکہ میں معلّم بناکر بھیجاگیاہوں۔

تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ انسان اور ادارے وجود میں آتے ہیں جو زندگی کے پورے نظام کی اسلام کی اقدار اور مقاصد کے مطابق صورت گری کرتے ہیں۔ اس لیے امت مسلمہ کی ترقی اور زوال اور سطوت اور محکومی کاسارا انحصار تعلیم اور نظام تعلیم پر ہے۔ لیکن آج صورتحال اس کے برعکس ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مروجہ دینی علوم کاطالب علم دنیاوی علوم کے طالب علم کو مغرب زدہ اور گمراہ تصور کرتا ہے تو جواب میں دنیاوی علوم کاطالب علم دینی علوم کے طالب علم کو کنویں کامینڈک متصور کرتا ہے۔ان دو طبقوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ دین اور علم کو ایک دوسرے کا مخالف ظاہر کریں۔ایک طبقہ وہ ہے جو دین کے نام پر روٹی کماتا اور لوگوں

کی جہالت سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے یہ چاہتا ہے کہ لوگ جاہل ہی رہیں تاکہ یہ طبقہ دین کا نام لے کر اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا رہے۔ یہ طبقہ دین کے ہتھیار سے تعلیم یافتہ لوگوں کو شکست دینا اور ان کو مقابلے کے میدان سے نکالنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے جو اپنی انسانی اور اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرنے سے گریزاں ہے۔ یہ اپنی بے راہ روی اور آزاد خیالی کا جواز تلاش کرنے کے لئے علم کا سہارا لیتا ہے اور اپنے آپ کو مذہب سے دور رکھنے کے لئے بہانہ تراشتا ہے کہ مذہبی عقائد و اعمال علمی اصولوں پر پورے نہیں اترتے۔ دین و دنیا کی تقسیم کے ساتھ مذکورہ بالا دونوں گروہ اپنے زعم میں خود کو اہل علم میں شمار کرتے ہیں جبکہ اسلام کی رو سے دونوں گروہ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود اہل علم میں شمار نہیں ہو سکتے، کیونکہ اسلام کی رو سے پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت حاصل کرنے سے انسان اہل علم میں سے نہیں ہوتا جب تک کہ وہ غور و فکر کے ساتھ حقیقت کا متلاشی نہ بنے۔ اسی لئے تو حضور ﷺ نے ایک مشہور شخص کو ابوجہل کے لقب سے نوازا تھا ورنہ وہ اپنے زمانے میں پڑھا لکھا شمار ہوتا تھا اور ابوالحکمۃ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس شخص کو زبان نبوت سے ابوالجہل کا لقب غور و فکر اور تدبر سے انکاری ہونے پر ملا تھا۔ آپ ﷺ اسے ابوالکفر کا لقب بھی دے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے ابوالکفر کے بجائے اسے ابوالجہل کہا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل مخالف جہالت ہے اور جہالت انسان کو گمراہی اور کفر کی طرف راغب کرتی ہے۔ انسان دوسری مخلوق سے علم ہی کے ذریعہ ممتاز قرار پاتا ہے۔

اس لئے اسلام میں اہل علم کے سوا کسی گروہ کو اہمیت حاصل نہیں ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (9:39) یعنی: "کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔ " آج کے دور میں ہر اس شخص کو پڑھا لکھا اور Literate کہا جاتا ہے جو لکھ سکتا ہو اور پڑھ سکتا ہو۔ لغوی مفہوم کی حد تک یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن اصطلاحی مفہوم میں ہر اس شخص کو اہل علم میں شامل نہیں کیا جائے گا جو پڑھنا اور لکھنا جانتا ہو بلکہ اس کو Literate کہا جائے گا۔ البتہ جو علم کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے، حق و باطل میں تمیز کرے، فلاح انسانیت کا مطلقاً قائل ہو اور بالخصوص اخلاقی اقدار کی ترویج کرے تو ایسے شخص کو اہل علم میں شمار کیا جائے گا۔ ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ شہروں میں تعلیمی تناسب ساٹھ فیصد سے زیادہ ہے اس کے باوجود جرائم کی تعداد دیہات کے مقابلے میں شہروں میں بہت زیادہ ہے اور جرائم میں گرفتار افراد کی اکثریت پڑھے لکھے لوگوں کی ہی ہوتی ہے۔ اگر تعلیمی اداروں پر نگاہ ڈالیں تو جس طرح گاہے بگاہے بہت معمولی باتوں پر طلباء (بالخصوص طلباء تنظیمیں) جس طرح سے اخلاقی اقدار کو پاؤں نیچے روند دیتے ہیں، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انسانیت سوز واقعات تعلیمی اداروں میں رونما ہونا معمول کی بات بن چکی ہے۔ لہٰذا معرفت سے عاری شخص کو اہل علم میں سے شمار نہیں کیا جانا چاہیئے، چاہے وہ پڑھا لکھا ہی کیوں نہ ہو۔ ملکی قوانین ایسے ہونے چاہیں کہ اگر

کوئی پڑھا لکھا شخص کسی جرم (جرم کا مقدار اور اس کی شدّت قانون میں متعین ہو) کا عمداً ارتکاب کرے اور عدالت میں اس کا جرم ثابت ہوجائے تو جرم کی سزا کے علاوہ اس شخص کی تعلیمی اسناد کو بھی کالعدم قرار دیا جانا چاہیئے۔ جس طرح سرکاری ملازم جرم کرتا ہے اور اس کا جرم عدالت میں ثابت ہوجاتا ہے تو اس کی نوکری ختم ہوجاتی ہے۔ اگر ایسا کوئی قانون موجود ہو اور اس پر سختی سے عمل درآمد ہو جائے تو معاشرے سے بالخصوص تعلیمی اداروں سے دہشت گردی اور جرائم کا بہت حد تک خاتمہ ممکن ہے۔

تعلیم کا مسئلہ ہر ملک کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی بھی ملک یا قوم کی ترقی کے لئے یہ ایسی شاہ کلید ہے، جس سے سارے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب تک اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا، وہ دنیا کے منظر نامہ پر چھائے رہے اور انہوں نے دنیا کو علم کی روشنی سے بھر دیا، لیکن جب مسلمانوں کی غفلت کے نتیجے میں پوری دنیا اخلاقی بحران کا شکار ہو گئی تو عالم اسلام خاص طور پر اس سے متاثر ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بنیاد ہی فراموش کر دی اور یورپ کے نظام تعلیم کو اختیار کر لیا تو اس سے پورا عالم اسلام متاثر ہوا۔ خود اسلامی ملکوں میں پڑھنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ جب اپنی اپنی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ یورپ کے پروردہ ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی ملکوں میں ایک کشمکش کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔ بہرحال احادیث نبوی پر غور کیا جائے تو یہ بات کلی طور پر واضح ہوجائے گی کہ علم سے کونسا علم مراد ہے؟ آپ ﷺ کی ایک مشہور حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ نے علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْبِالصِّینِ، فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِیضَۃٌ عَلَی کُلِّ مُسْلِمٍ"[4] علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔" اگر علم سے صرف مروجہ دینی علوم ہی مقصود ہوتے تو پھر یہ بات مسلّم ہے کہ چین دینی علوم کا محور و مرکز کبھی بھی نہیں رہا۔ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ یَأْخُذُھَا اِذَا وَجَدَھَا[5] حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، جہاں بھی ملے لے لو۔" اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "اَلحکمۃُ ضَالَّۃُ المومن فَاطلُبُوھا وَلَو عندَ المُشرِکِ تَکُونوا اَحَقَّ بِھا وَاَھلَھا"[6] حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، اگر مشرک کے پاس بھی ملے تو اسے حاصل کر لو۔" مشرک سے علم حاصل کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ علم و حکمت معرفت خداوندی کا نام ہے تو ایک مشرک سے زیادہ اس کا حقدار ایک مومن ہی ہو سکتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ تقسیم ہی درست نہیں کہ علم دینی ہے یا دنیاوی۔ بعض لوگوں کے اذہان میں یہ گمان پیدا ہو گیا ہے کہ جو علوم اصطلاحاً غیر دینی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ علم کی فضیلت میں حصول علم کے اجر و ثواب میں آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ انہی علوم سے مخصوص ہے جن کو اصطلاح

میں علوم دینی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کی نظر میں ہر وہ علم جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہو اور کسی طرح بھی مسلمانوں کی صحیح سمت رہنمائی کرے، وہ علم دینی ہے۔چاہے وہ مروجہ دینی علوم ہوں یا جدید دنیاوی و سائنسی علوم ہو۔انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے ان تمام علوم کا حصول باعث فضیلت ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم محض حصول معلومات کا نام نہیں، بلکہ عملی تربیت بھی اس کا جزو لاینفک ہے۔ اسلام ایسا نظام تعلیم وتربیت قائم کرنا چاہتا ہے جو نہ صرف طالب علم کو دین اور دنیا کے بارے میں صحیح علم دے بلکہ اس صحیح علم کے مطابق اس کی شخصیت کی تعمیر بھی کرے۔ یہ بات اس وقت بھی نمایاں ہو سامنے آتی ہے جب ہم اسلامی نظام تعلیم کے اہداف و مقاصد پر غور کرتے ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی ہدف ہی یہ ہے کہ وہ ایک ایسا مسلمان تیار کرنا چاہتا ہے، جو اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہو، زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارے اور آخرت میں حصول رضائے الٰہی اس کا پہلا اور آخری مقصد ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا میں ایک فعال، متحرک اور باعزم زندگی گزارے۔ ایسی شخصیت کی تعمیر اسی وقت ممکن ہے جب تعلیم کے مفہوم میں حصول علم ہی نہیں، بلکہ کردار سازی پر مبنی تربیت اور تخلیقی تحقیق بھی شامل ہو۔ لیکن افسوس کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں معلومات تو دے دی جاتی ہیں، مگر ایک مسلمان اور کارآمد بندہ تیار نہیں ہو پاتا۔

اسلام میں علم کی تقسیم نہیں

اسلام میں دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ تقسیم اسلام کے ابتدائی ادوار میں مستعمل تھی بلکہ یہ تقسیم درحقیقت مذہب عیسائیت (عیسائیت پر الزام تراشی کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی اپنی غلطیوں کا ذمہ دار عیسائیت کو قرار دینا ہے بلکہ دین و دنیا کی تقسیم کی تاریخ پس منظر بیان کرنا مقصود ہے۔اب اگر اسلام کے ماننے والوں میں یہ تقسیم اور اس کے نقصانات موجود ہیں تو اس کے اصل ذمہ دار اسلام کے ماننے والے خود ہیں نہ کہ عیسائیت) سے آئی ہے۔یہ ایک سیکولر فکر تھی جس کو بعض قدیم اور جدید مسلم مفکرین نے قبول کیا۔ سیکولر حضرات ابتدا میں علم اور ایمان کی علیحدگی پر اصرار کرتے تھے۔بعد میں انہوں نے تمام انسانی علوم حتی کہ فلسفہ اور ماورائے طبیعت موضوعات کو بھی دینی تعلیمات کے دائرے سے خارج کردیا۔البتہ ان لوگوں کی یہ حرکت اور فکر کلیسا کی سخت گیری کا نتیجہ اور ردعمل تھا کہ جنہوں نے علم و معرفت کو عیسائیوں کی مقدس کتب کی خودساختہ تفسیروں میں محدود کردیا تھااور دانشوروں کی تحقیقات اور علمی رائے کی آزادی کو سلب کرلیا تھا۔ مسیحی کلیساؤں نے تمام علمی، ادبی اور ثقافتی شعبوں میں مقدس کتب کی اور اپنی اجارہ داری قائم کررکھی تھی۔ اس وجہ سے سیکولر حضرات نے ردعمل کے طور پر علوم کی دینی و دنیاوی تقسیم کا نظریہ پیش کیا۔ ابتدائی مرحلے میں تو کچھ مسلمانوں نے اس تقسیم کو نادانستہ طور پر قبول کرلیا تھا لیکن زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی

اکثریت نے اس نظریہ کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کو عملی جامہ پہنایا اور اس تقسیم کے ساتھ تعلیمی ادارے قائم ہوئے۔ اس تقسیم بندی کے ساتھ تعلیمی اداروں کا قیام وہ پہلا قدم تھا جہاں سے مسلمان جدید اور سائنسی علوم سے دور ہونا شروع ہوگئے۔ یہاں تک کہ جدید اور سائنسی علوم کو اہل مغرب کا شیوہ قرار دے دیا گیا۔اس کے لئے ایک اور اصطلاح ''علوم شرقی اور علوم غربی'' پیدا ہوئی جس کے ذریعے سے مسلمانوں کو جدید اور سائنسی علوم سے مزید دور کیا گیا۔ سائنسی علوم ایک زمانہ میں مسلمان اداروں کی پہچان ہوا کرتی تھی جو اب تقریباً مسلمانوں کے مذہبی تعلیمی اداروں میں ناپید ہوچکی ہے۔ غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آج کی مسلم دنیا کو بھی ایسے ہی حالات کا سامنا ہے۔ بعض خود ساختہ مذہبی سورماؤں نے دین کا حصار ایسا باندھا ہے کہ کسی میں اس حصار کو توڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ دینی و نظریاتی افکار میں تحقیق و تنقید کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ کہنے کو میڈیا آزاد ہے لیکن نظریاتی افکار بالخصوص دینی معاملات میں تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی ہمت میڈیا کے پاس بھی نہیں رہی ہے۔ وہ علوم اور شخصیات جو وحی کی بنیاد پر رہبر و رہنما ہیں، ان کا علم ایک غیر متغیر حقیقت ہے اس کے علاوہ باقی تمام علوم متبدل اور متغیر ہیں۔ اس لئے ان علوم اور ان کے ارتقاء کا تنقیدی جائزہ لینا دین کی روح کے خلاف نہیں ہے لیکن عالم اسلام میں دینی نظریات، رسومات، علماء کی تعلیمات، غیر معصوم مقدس شخصیات،اور دیگر موضوعات پر تنقیدی جائزہ لینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ اگر کوئی ایسا کرنے کی کوشش کرے تو اس کی زندگی خطرہ سے دوچار ہوجاتی ہے۔ اسے اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے اغیار کی طرف ہجرت کرنی پڑتی ہے جس کی دور حاضر میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

سولہویں صدی مسلمانوں کے سیاسی و علمی عروج و زوال کی صدی رہی ہے۔ اس صدی کے پہلے نصف میں مسلمانانِ عالم جہاں علمی و تحقیقی اور سیاسی و معاشی زوال کی انتہا کو پہنچ رہے تھے، وہیں اس صدی کے نصف ثانی میں انہوں نے علمی و تحقیقی میدان میں عروج وارتقاء کی ایک دوسری داستان لکھی۔ چنانچہ جہاں بہت سارے مسلم ممالک نے استعمار کے چنگل سے نجات پائی، وہیں فکر و تحقیق کے میدان میں بہت سے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے علم و تحقیق، تصنیف وتالیف اور بحث و ریسرچ کی ان تابندہ روایات کو پھر سے زندہ کیا جو کبھی اسلاف کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی تھیں۔ بہر حال مسلم معاشرہ کی فکری ارتقاء میں دو بنیادی رکاوٹیں ہمیشہ حائل رہی ہیں۔ ایک تحقیقی و تنقیدی رویوں کا فقدان، دوم دینی و دنیاوی علوم کی تقسیم بندی۔ اسلامی روح کے مطابق دین اور دنیا ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ مشہور مصری عالم یوسف قرضاوی لکھتے ہیں۔ ''اسلام میں سرے سے انسانی زندگی کے معاملات کی یہ تقسیم ہی نہیں کہ زندگی کے یہ امور دینی ہیں اور یہ غیر دینی۔ دین و دنیا کی تقسیم ہی غیر اسلامی اور عیسائی مغرب سے درآمد شدہ ہے اور جو ہمارے معاشرے میں بعض اداروں اور لوگوں کے بارے میں دینی اور

غیر دینی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اس تقسیم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ تاریخ اسلام میں آخری دور تک یہ تقسیم وجود میں نہیں آئی تھی کہ تعلیم کے ایک حصہ کو دینی تعلیم کہا جائے اور اس کے دوسرے حصے کو غیر دینی یا غیر مذہبی کہا جائے۔ کچھ ایسے افراد ہوں جنہیں مذہبی لوگ یا رجال دین کہا جائے اور دوسرے لوگ رجال علم، اہل سیاست اور اہل علم کہلائیں۔ اسلامی نظام حیات میں زندگی کے یہ دو حصے کبھی نہیں رہے اور دین و دنیا کی تفریق کبھی قائم نہیں ہوئی۔ اسلام اس دین سے آشنا نہیں جو سیاست سے عاری ہو اور اس سیاست کو تسلیم نہیں کرتا جو دین سے خالی ہو۔ اسلام میں زندگی کے تمام پہلو اس طرح باہم مربوط اور دوش بدوش رہے ہیں جس طرح جسم و جان کا رشتہ باہم مربوط ہے۔ اسلام کی نظر میں نہ تو روح کوئی جدا اور علیحدہ شئے ہے اور نہ جسم روح سے بے گانہ ہو کر کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ اس لئے اسلام کی نظر میں دین اور علم، دین اور دنیا اور دین اور حکومت، ہر رشتہ مربوط، غیر منفصل اور کبھی جدا نہ ہونے والا ہے۔[7]

اسلام ایک آفاقی مذہب اور دین فطرت ہونے کے ناطے اپنے ماننے والوں کی دین اور دنیا دونوں میں کامیابی کا متمنی ہے۔ اسلام میں مطلّقاً ترکِ دنیا کی اجازت نہیں اور نہ ہی تخلیق انسانی کا اصل مقصد صرف دنیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں دین کی اہمیت کے پیش نظر اکثر دنیا کی مذمت کی گئی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کا تذکرہ اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ ملتا ہے جس کی وجہ سے طول تاریخ میں مسلمانوں کے درمیان ترک دنیا کے نظریات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہیں، آج بھی بعض مسلمان متعدد صوفیاء کرام سے منسوب ترک دنیا کی بے شمار عملی صورتیں پیش کرتے ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی اور عارضی ہونے میں دو رائے نہیں اور نہ ہی دنیا کی بے ثباتی ہونے کا نظریہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ ہمارے نزدیک لذات دنیا کو ترک کرنے کا نظریہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی پر حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے تقریباً نو خطبات نہج البلاغہ[8] میں موجود ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبات اور کلمات میں دنیا کی سینکڑوں دفعہ مذمت کی ہے۔ آپ نے متعدد الفاظ و اصطلاحات دنیا کی مذمت کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔ جن میں فتنے کا گھر، امتحان کا گھر، مصیبت کا گھر، بلا کا گھر، مشغولیت کا گھر، فنا کا گھر، شک و ارتیاب کا گھر، زوال کا گھر جیسے عنوانات شامل ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے الفاظ اور خطبات کو سرسری انداز میں دیکھیں تو یہی تاثر ملتا ہے کہ آپ نے مطلّقاً ترک دنیا کا درس دیا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ مذکورہ جتنے بھی الفاظ دنیا کے بارے میں ہیں، وہ سب آخرت کے مقابلے میں ہیں۔ اس لئے وہ تمام الفاظ عقلاً و نقلاً صحیح ہیں۔ اگر حضرت علی علیہ السلام نے ایک طرف آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مذمت کی ہے تو وہیں پر دنیا کی اہمیت کو بھی بیان فرمایا ہے۔ آپؑ کے بہت سے ایسے فرامین بھی ملتے ہیں جس میں دنیا اور اس میں موجود ان گنت مظاہر قدرت پر غور کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اِنَّ

الدُّنْيَا دَارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَقَهَا وَ دَارُ عَافِيَةٍ لِمَنْ فَهِمَ عَنْهَا وَ دَارُ غِنًى لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْهَا وَ دَارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِهَا، مَسْجِدُ اَحِبَّاءِ اللهِ وَ مُصَلَّى مَلاَئِكَةِ اللهِ وَ مَهْبِطُ وَحْيِ اللهِ وَ مَتْجَرُ اَوْلِيَاءِ اللهِ، اكْتَسَبُوا فِيهَا الرَّحْمَةَ وَ رَبِحُوا فِيهَا الْجَنَّةَ۔[9] اسی طرح آپؑ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اَلاَ وَ اِنَّ الدّنیا دارُ لَا یُسلمُ منها اِلّا فیها تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا ایسا گھر ہے کہ اس کے (عواقب) سے بچاؤ کا ساز و سامان اسی میں رہ کر کیا جاسکتا ہے۔[10] مشہور قول ہے: الدنیا مزرعۃ الاخرۃ[11] دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ قبول نہ کیا جائے کہ دینی علوم میں تمام جدید اور قدیم علوم شامل ہیں اور مذہبی تعلیمی اداروں میں جدید اور سائنسی علوم کی تعلیم نہ دی جائے اور اسی طرح سرکاری تعلیمی اداروں میں سیکولر فکر کے بجائے دینی فکر کو رائج نہ کیا جائے، اس وقت تک مسلمان اپنی زوال پذیری سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکتے۔

نتیجہ

بحث کا حاصل یہ ہے کہ حقیقت کے ادراک کو علم کہا جاتا ہے اور حقیقت کے حصول کے مدارج و مراحل کو تعلیم کا نام دیا جاتا ہے۔ نقلی اور روایتی علوم پر انحصار سے اصل اور حقیقی علم کا حصول ممکن نہیں جب تک غور و فکر اور تحقیق و تفحص کے ذریعے علم کو حاصل نہ کیا جائے۔ علاوہ ازایں، تعلیم صرف تدریسِ عام کا ہی نام نہیں ہے۔ تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ ایک فرد اور ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ نئی نسل کی وہ تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے اور اس میں زندگی کے مقاصد وفرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ایک ذہنی و جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اعلیٰ درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے جو اچھے انسانوں کی حیثیت سے اور کسی ریاست میں بطور ذمہ دار شہری اپنے فرائض انجام دینے کے اہل ہوں۔ اسلام ایسا نظام تعلیم وتربیت قائم کرنا چاہتا ہے جو نہ صرف طالب علم کو دین اور دنیا کے بارے میں صحیح علم دے بلکہ اس صحیح علم کے مطابق اس کے شخصیت کی تعمیر بھی کرے۔ اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی ہدف ہی یہ ہے کہ وہ ایک ایسا مسلمان تیار کرنا چاہتا ہے، جو اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہو، زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارے اور آخرت میں حصول رضائے الٰہی اس کا پہلا اور آخری مقصد ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا میں ایک فعال، متحرک اور باعزم زندگی گزارے۔ ایسی شخصیت کی تعمیر اسی وقت ممکن ہے جب تعلیم کے مفہوم میں حصول علم ہی نہیں، بلکہ کردار سازی پر مبنی تربیت اور تخلیقی تحقیق بھی شامل ہو۔

*****

حوالہ جات

1۔ معلوف، لویس، *المنجد*، (بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیّۃ، 1908ء) 155-

2-احمد، ابن حنبل، *مسند الامام احمد بن حنبل*، ج 44، المحقق: شعیب الأرنؤوط وآخرون، (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1420ھ/1999ء)، 318-

3- مرتضٰی، مطہری، *اسلامی علوم کا تعارف*، ترجمہ سید محمد عسکری، (قم، سازمان فرہنگ وارتباطات اسلامی، 1417ھ)، 37-

4-احمد بن الحسین بن علی، ابو بکر البیہقی الخراسانی، *شعب الایمان*، ج3، تحقیق وتخریج إحادیثہ: مختار إحمد الندوی، (ریاض، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومبای بالہند، 1423ھ۔2003م)، 193-

5- عبد اللہ بن محمد بن الکوفی، ابو بکر ابن ابی شیبہ، *المُصَنَّف*، ج 19، المحقق: محمد عوامۃ، (ریاض، دار القبلۃ الدار السلفیۃ الہندیۃ القدیمۃ، سن ندارد)، 494-

6-مرتضٰی، مطہری، *سخن*، (کراچی، جامعہ تعلیمات اسلامی، 2004ء)، 162-

7- ڈاکٹر یوسف، القرضاوی، *اسلام اور سیکولرازم*، ترجمہ اردو ساجد الرحمان صدیقی (اسلام آباد، مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی، 1997ء)، 53-

8- سید محمد، رضی، *نہج البلاغہ*، ترجمہ وحواشی مفتی جعفر حسین (لاہور، المعراج کمپنی، 2003)، خطبات: 32، 52، 61، 62، 80، 87، 97-

9- ایضاً، خطبہ 13-

10- ایضاً، خطبہ 60-

11- محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم، ابو العلا المبارکفوری، *تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی*، ج 3، (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، سن ندارد)، 392-

Bibliography

1) Abu Bakr al-Bayhaqi al-Khurasani, Ahmad bin al-Husyn bin Ali, *Sha'ab al-Imān*, Vol. 3, Riyadh, Maktaba al-Rushd, 1423/2003.
2) Abu bakr bin Abi Shayba, Abdullah bin Muhammad bin al-Kufi, *Al-Musannuf*, Vol. 19, Riyadh, Dar al-Qibla al-Dar al-Salfiya al-Hindiya, nd.
3) Abu al-A'la al-Mubarakfuri, Muhammad bin Abd al-Rahman bin Abd al-Rahīm, *Tohfa al- Ahwazi bi Sharh Jame' al-Tirmizi*, Beirut, Dar al-Kutub al-E'lmiyah, nd.
4) Ibn Hanbal, Ahmad, *Musnad al-Imam Ahmad bin Hambal*, Vol. 44, Beirut, Mua'ssasa al-Risala, 1420/1999.
5) Ma'luf, Louis, *Al-Mun'jid fi al-Lughah*, Beirut, al-Matba'ah al-Kathulaikiyyah, 1908.
6) Mutahhari, Murtada, *Islami Ulūm ka Taā'ruf*, Translated by Seyyed Muhammad Askari, Qum, Sazmān-e Farhang-o Irtibatāt-e Islami, 1417/1996.
7) Mutahhari, Murtada, *Sukhan*, Karachi, Jamia Talimāt-e Islami, 2004.
8) Al-Qurdawi, Dr. Yusuf, *Islam aur Secularism*, Translated by Sajid al-Rahman Siddiqui, Islamabad, Matba' Idarah Tahqiqāt-e Islami, 1997.
9) Seyyed Radi, Muhammad, *Nahaj al-Balagah*, Translated and annotated by Mufti Jafar Husyn, Lahore, al-Me'raj Company, 2003.